محبت مستقل غم ہے
(ساغر صدیقی)
انتخاب
وصی شاہ

ترتیب

ساغر صدیقی!

ایک بہت معتبر نام

ساغر کے ہاں آپ کو وہ سب کچھ ملتا ہے جسے آپ خود بھی بڑی شدت سے اپنے اردگرد محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ ساغر کی شاعری ہم سب کو اپنے دل کے بہت بہت قریب اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ ساغر کی شاعری دکھوں سے عبارت ہے اور زندگی چونکہ سر پہ دکھوں کا تاج سجائے ہمارے اردگرد رقص کرتی رہتی ہے سو ہمیں ساغر کی شاعری جیسی ہی معلوم ہوتی ہے۔

ساغر کی شاعری یا زندگی' زندگی یا ساغر کی شاعری دونوں ایک سی ہیں۔ محبت کی طرح....... مستقل غم!

طالب دعا

وصی شاہ

ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا
تصورات کی دنیا پہ اک نکھار آیا

کبھی جو گنبد خضرا کی یاد آئی ہے
بڑا سکون ملا ہے بڑا قرار آیا

یقین کر کہ محمدؐ کے آستانے پر
جو بدنصیب گیا ہے وہ کامگار آیا

ہزار شمس و قمر راہ شوق سے گزرے
خیال حسن محمدؐ جو بار بار آیا

عرب کے چاند نے صحرا بسا دیئے ساغر
وہ ساتھ لے کے تجلی کا اک دیار آیا

لبوں پہ جس کے محمدؐ کا نام رہتا ہے
وہ راہِ خُلد پہ محوِ خرام رہتا ہے

جو سر جھکائے محمدؐ کے آستانے پر
زمانہ اس کا ہمیشہ غلام رہتا ہے

ہمیں نہ چھیڑ کہ وارفتگان بطحا ہیں
ہمیں تو شوقِ مدینہ مدام رہتا ہے

وہ دو جہاں کے امیں ہیں انہی کے ہاتھوں میں
سپرد کون و مکاں کا نظام رہتا ہے

جو غمگسار ہے نادار اور غریبوں کا!
وہ قدسیوں میں بھی عالی مقام رہتا ہے

لگن ہے آلِ مدینہ کی جس کے سینے میں
وہ زندگی میں بہت شاد کام رہتا ہے

ہمیں ضرورتِ آبِ بقا نہیں ساغرؔ
ہمارے سامنے کوثر کا جام رہتا ہے

○

بزمِ کونین سجانے کے لیے آپؐ آئے
شمعِ توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے

ایک پیغام، جو ہر دل میں اجالا کر دے
ساری دنیا کو سنانے کے لیے آپؐ آئے

ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
ایک مرکز پہ بلانے کے لیے آپؐ آئے

ناخدا بن کے ابلتے ہوئے طوفانوں میں
کشتیاں پار لگانے کے لیے آپؐ آئے

قافلہ والے بھٹک جائیں نہ منزل سے کہیں
دور تک راہ دکھانے کے لیے آپؐ آئے

چشمِ بیدار کو اسرارِ خدائی بخشے
سونے والوں کو جگانے کے لیے آپؐ آئے

○

غم کے ماروں کا آسرا تم ہو
بے سہاروں کا آسرا تم ہو

ہو بھروسہ تمہیں فقیروں کا
تاجداروں کا آسرا تم ہو

درد مندوں سے پیار ہے تم کو
غم گساروں کا آسرا تم ہو

تم سے یہ کائنات روشن ہے
چاند تاروں کا آسرا تم ہو

ناز ہے جن پہ باغِ جنت کو
ان بہاروں کا آسرا تم ہو

چشمِ ساغر کی آبرو تم سے
دلِ فگاروں کا آسرا تم ہو

○

برگشتۂ یزدان سے کچھ بھول ہوئی ہے
بھٹکے ہوئے انسان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تارے سے چمک اٹھے ہیں ساقی کی جبیں پر
شاید میرے ایمان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تاحد نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
پھولوں کے نگہبان سے کچھ بھول ہوئی ہے

شاخوں پہ چٹکتے ہوئے غنچوں کو مبارک
اس زلف پریشان سے کچھ بھول ہوئی ہے

جس عہد میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

ہنستے ہیں مری صورتِ مفتوں پہ شگوفے
میرے دلِ نادان سے کچھ بھول ہوئی ہے

حوروں کی طلب اور مے و ساغر سے ہے نفرت
زاہد ترے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے

کھلتے رہیں گے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیبِ تمنا میں چار پھول

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقشِ پائے ناز
ہم نے گرا دیئے ہیں سرِ رہگذار پھول

آوارگانِ شوق چلو ہم کریں تلاش
وہ کارواں جو چھوڑ گیا ہے غبار پھول

کھولے ہیں اس نے گیسوئے عنبر فشاں ضرور
کچھ حد سے ہو گئے ہیں سوا اشکبار پھول

بھنوروں کو جستجو ہے تیری کنج کنج میں
شاخوں پہ کر رہے ہیں ترا انتظار پھول

ہائے شہیدِ ناز کی تربت پہ رونقیں
مدھم سی اک شمع ہے دو سوگوار پھول

○

میں تلخیٔ حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا

اتنی دقیق شے کوئی کیسے سمجھ سکے
یزداں کے واقعات سے گھبرا کے پی گیا

چھلکے ہوئے تھے جام پریشاں تھی زلفِ یار
کچھ ایسے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

میں آدمی ہوں' کوئی فرشتہ نہیں حضور
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

دنیائے حادثات ہے اک دردناک گیت
دنیائے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

کانٹے تو خیر کانٹے ہیں ان سے گلہ ہی کیا
پھولوں کی واردات سے گھبرا کے پی گیا

ساغر وہ کہہ رہے تھے کہ پی لیجئے حضور
ان کی گزارشات سے گھبرا کے پی گیا

○

اے دلِ بے قرار چپ ہو جا
جا چکی ہے بہار چپ ہو جا

اب نہ آئیں گے روٹھنے والے
دیدۂ اشکبار چپ ہو جا

جا چکا کاروانِ لالہ و گل
اڑ رہا ہے غبار چپ ہو جا

چھوٹ جاتی ہے پھول سے خوشبو
روٹھ جاتے ہیں یار چپ ہو جا

ہم فقیروں کا اس زمانے میں
کون ہے غمگسار چپ ہو جا

حادثوں کی نہ آنکھ کھل جائے
حسرتِ سوگوار چپ ہو جا

گیت کی ضرب سے بھی اے ساغر
ٹوٹ جاتے ہیں تار چپ ہو جا

زہرِ قاتل ہے آبگینوں میں
سانپ پلتے ہیں آستینوں میں

چند قطرے ہیں خونِ سائل کے
اب شہنشاہ کے خزینوں میں

خیر ہو آسماں ستاروں کی
جگمگاتے ہیں داغ سینوں میں

انقلاب حیات کیا کہئے
آدمی ڈھل گئے مشینوں میں

میرے نغموں کا دل نہیں لگتا
ماہ پاروں میں' مہ جبینوں میں

جاؤ اہل خرد کی محفل میں
کیا کرو گے جنوں نشینوں میں

موج ساحل کو بڑھ کے چوم آئی
ہم تڑپتے رہے سفینوں میں

شاعر

وقت کے تیروں سے چھلنی ہیں مرے قلب و جگر
فکرِ فردا میں گزرتے ہیں مرے شام و سَحَر

حادثے کرتے ہیں پرسش میرے حالِ زار کی
میں کہ پگڈنڈی ہوں جیسے وادی پرخار کی

صورتِ رنج و الم ہے غم گُسارِ زندگی
زندگی کو بھی نہیں ہے اعتبارِ زندگی

ٹھوکریں کھاتا ہے میرے گھر میں آ کر ماہتاب
درمیانِ عیش و عشرت میری ہستی ہے حجاب

لوگ فرزانہ سمجھتے ہیں مگر مدہوش ہوں
میں کلیمِ نور و نکہت ہوں مگر خاموش ہوں

میں وہ سجدہ ہوں جسے آدم کا سر تکتا رہا
میں وہ نالہ ہوں جسے سوزِ اثر تکتا رہا

ہے دعا یاد مگر حرفِ دعا یاد نہیں
میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

ہم نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہدِ وفا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سرِشام کسی کی آنکھیں
کیسے تھرائی چراغوں کی ضیا یاد نہیں

صرف دھند لائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا، کون ہوا، کس سے خفا یاد نہیں

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

○

قریب دار کٹا دن تو رات کانٹوں پر
گزار دی ہے کسی نے حیات کانٹوں پر

تغیرات سے افزوں ہے ارتقاء کا مزاج
ملا ہے گل کو چمن میں ثبات کانٹوں پر

بلا سے دامنِ ہستی جو تار تار ہوا!
مرے جنوں نے لگائی ہے گھات کانٹوں پر

چٹک رہے ہیں شگوفے تمہاری یادوں کے
سجی ہے شبنم و گل کی برات کانٹوں پر

یہ اور بات ہے پھولوں کا ذکر تھا ساغر
کہ اتفاق سے پہنچی ہے بات کانٹوں پر

○

اے حسنِ لالہ فام! ذرا آنکھ تو ملا
خالی پڑے ہیں جام! ذرا آنکھ تو ملا

کہتے ہیں آنکھ آنکھ سے ملنا ہے بندگی
دنیا کے چھوڑ کام! ذرا آنکھ تو ملا

کیا وہ نہ آج آئیں گے تاروں کے ساتھ ساتھ
تنہائیوں کی شام! ذرا آنکھ تو ملا

یہ جام، یہ سبوُ، یہ تصور کی چاندنی
ساقی کہاں مدام! ذرا آنکھ تو ملا

ساقی مجھے بھی چاہیے اک جام آرزو
کتنے لگیں گے دام! ذرا آنکھ تو ملا

پامال ہو نہ جائے ستاروں کی آبرو
اے میرے خوش خرام! ذرا آنکھ تو ملا

ہیں راہِ کہکشاں میں ازل سے کھڑے ہوئے
ساغر ترے غلام! ذرا آنکھ تو ملا

○

فضائے نیم شبی کہہ رہی ہے سب اچھا
ہماری بادہ کشی کہہ رہی ہے سب اچھا

نہ اعتبارِ محبت نہ اختیارِ وفا
جنوں کی تیز روی کہہ رہی ہے سب اچھا

دیارِ ماہ میں تعمیر مے کدے ہوں گے
کہ دامنوں کی تہی کہہ رہی ہے سب اچھا

قفس میں یوں بھی تسلی بہار نے دی ہے
چٹک کے جیسے کلی کہہ رہی ہے سب اچھا

وہ آشنائے حقیقت نہیں تو کیا غم ہے
حدیثِ نامہ بری کہہ رہی ہے سب اچھا

تڑپ تڑپ کے شبِ ہجر کاٹنے والو!
نئی سَحَر کی گھڑی کہہ رہی ہے سب اچھا

حیات و موت کی تفریق کیا کریں ساؔغر
ہماری شانِ خودی کہہ رہی ہے سب اچھا

○

کچھ نہیں مُدّعا فقیروں کا
درد ہے لادوا فقیروں کا

اور تو کچھ نہیں صدا بابا
ہو بھلا کر بھلا فقیروں کا

اپنی تنہائیوں پہ ہنستے ہیں
کون ہے آشنا فقیروں کا

منزلوں کی خبر خدا جانے
عشق ہے رہنما فقیروں کا

ایک مدت سے خالی خالی ہے
کاسۂ التجا فقیروں کا

میکدے کی حدود میں ہوں گے
کیا بتائیں پتا فقیروں کا

زلفِ جاناں کی نکہتیں ساغر
بن گئیں آسرا فقیروں کا

○

محفلیں لٹ گئیں جذبات نے دم توڑ دیا
ساز خاموش ہیں نغمات نے دم توڑ دیا

ہر مسرت غمِ دیروز کا عنوان بنی
وقت کی گود میں لمحات نے دم توڑ دیا

اَن گنت محفلیں محرومِ چراغاں ہیں ابھی
کون کہتا ہے کہ ظلمات نے دم توڑ دیا

آج پھر بجھ گئے جل جل کے امیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا

جن سے افسانۂ ہستی میں تسلسل تھا کبھی
ان محبت کی روایات نے دم توڑ دیا

جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹوٹ گئی
جگمگاتی ہوئی برسات نے دم توڑ دیا

ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغرؔ
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

منزلِ غم کی فضاؤں سے لپٹ کر رولوں
ترے دامن کی ہواؤں سے لپٹ کر رولوں

جام مے پینے سے پہلے مرا جی چاہتا ہے
بکھری زلفوں کی گھٹاؤں سے لپٹ کر رو لوں

زرد غنچوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالوں
سرخ پھولوں کی قباؤں سے لپٹ کر رولوں

آنے والے ترے رستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے ترے پاؤں سے لپٹ کر رولوں

اپنے مجبور تقدس کے سہارے ساغر
دیر و کعبہ کے خداؤں سے لپٹ کر رولوں

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر

ایسا اک سنگ جو تالیفِ رہ و منزل ہو
منزلیں ڈھونڈ کے آئے ہیں تمہاری خاطر

کتنی ناکام امیدوں کے دیئے پچھلے پہر
ہم نے دریا میں بہائے ہیں تمہاری خاطر

عہدِ روشن کے سخنور نہ بھلائیں گے کبھی
ہم نے وہ سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر

ہم نہ چاہیں گے کبھی تختِ جم و خسرو کے
ہم نے ارمان لٹائے ہیں تمہاری خاطر

ہم وہاں تھے کہ جہاں ساغر و ساقی تھے مدام
دوستو! لوٹ کے آئے ہیں تمہاری خاطر

(۵۶)

لوگ لیتے ہیں یونہی شمع اور پروانے کا نام
کچھ نہیں ہے اس جہاں میں غم کے افسانے کا نام

مٹ گئی بربادیٔ دل کی شکایت دوستو!
اب گلستاں رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کا نام

شوخیٔ قدِ نگاراں میری صہبا کا وجود
مستیٔ چشمِ غزالاں میرے پیمانے کا نام

اس کو کہتے ہیں غمِ تقدیر کی نیلام گاہ
ہے زبانِ تشنگی میں اور میخانے کا نام

دیکھیے! ساغر کی آشفتہ نگاہی کا کمال
مستیاں چھلکا رہا ہے ایک دیوانے کا نام

○

چاندنی اور موتیے کے پھول
کتنے سادہ ہیں زندگی کے اصول

اپنی زلفیں سمیٹ لیجئے گا
مل رہا ہے کہانیوں کو طول

اے غمِ یار تیری خیر رہے!
اے غمِ یار ہم نہیں ہیں ملول

وجۂ تخلیقِ کائنات ہے عشق
واقعے حادثوں سے ہیں منقول

ان کے چتون پہ دیکھ کر شکنیں
کفر بھی بندگی میں ہے مشغول

سن کے ذکرِ بہار اے ساغر
چبھ گئی دل میں غم کی گہری سُول

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

ماحول کے تپتے صحرا سے، حالات کی اجڑی شاخوں سے
ہم اہلِ جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

جب سارا اثاثہ لٹ جائے تسکینِ سفر ہو جاتی ہے
ہم راہنماؤں کے بدلے رہزن کی توقع رکھتے ہیں

سنگین چٹانوں سے دل کے دکھنے کی شکایت کرتے ہیں
ظلمت کے نگر میں نورانی آنگن کی توقع رکھتے ہیں

وہ گیسوئے جاناں ہوں ساغر یا گردشِ دوراں کے سائے
اے وائے مقدر دونوں سے الجھن کی توقع رکھتے ہیں

○

صحنِ کعبہ بھی یہیں ہے تو صنم خانے بھی
دل کی دنیا میں گلستان بھی ہیں ویرانے بھی

لوگ کہتے ہیں اجارہ ہے ترے جلووں پر
اتنے ارزاں تو نہیں ہیں ترے دیوانے بھی

آتشِ عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرمِ سوزِ وفا شمع بھی پروانے بھی

کچھ فسانوں میں حقیقت کی جھلک ہوتی ہے
کچھ حقیقت سے بنا لیتے ہیں افسانے بھی

میرے اشعار ہیں تصویرِ تمنا ساغر
ان کی آغوش میں ہیں درد کے افسانے بھی

○

آبِ انگور سے وضو کر لو
دوستو! بیعت سبُو کر لو

گرُ بتا دیں گے ہم بادشاہی کے
ہم فقیروں سے گفتگو کر لو

ان سے ملنا کوئی محال نہیں
ان سے ملنے کی آرزو کر لو

دو قدم رائیگاں ہوئے تو کیا
دو قدم اور جستجو کر لو

جشن زار حیات میں ساغر
چار دن تم بھی ہاؤ ہو کر لو

غم نصیبوں کی زندگی کیا ہے
ہم غریبوں کی زندگی کیا ہے
مر گئے جن کے چاہنے والے
ان حسینوں کی زندگی کیا ہے

○

ہم فقیروں کی صورتوں پہ نہ جا
ہم کئی روپ دھار لیتے ہیں
زندگی کے اداس لمحوں کو
مسکرا کر گزار لیتے ہیں

○

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

بندہ پرور! جو ہم پہ گزری ہے
ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو

آج ہم بھی تری وفاؤں پر
مسکرائیں تو کیا تماشا ہو

تیری صورت جو اتفاق سے ہم
بھول جائیں تو کیا تماشا ہو

وقت کی چند ساعتیں ساغرؔ
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

○

ہیں کتنی سازگار زمانے کی تلخیاں
تُو ہے تو پُربہار زمانے کی تلخیاں

میں تلخیوں کے سائے میں پل کر جواں ہوا
ہیں میری غمگسار زمانے کی تلخیاں

اے رہروِ حیات ذرا جام تو اٹھا
بن جائیں گی قرار زمانے کی تلخیاں

جو ہو سکا نہ واقفِ آدابِ میکدہ
کرتا رہا شمار زمانے کی تلخیاں

تم ساتھ ہو تو جانِ وفا میرے واسطے
پھولوں کی رہگذار زمانے کی تلخیاں

دیکھی ہیں بارہا مری چشمِ شعور نے
انسان کا وقار زمانے کی تلخیاں

ساغر یہی بلند و پستی کا راز ہیں
تقدیسِ روزگار زمانے کی تلخیاں

○

ایک نغمہ، ایک تارا، ایک غنچہ، ایک جام
اے غمِ دوراں! غمِ دوراں تجھے میرا سلام

زلف آوارہ، گریباں چاک، گھبرائی نظر
ان دنوں یہ ہے جہاں میں زندگانی کا نظام

چند تارے ٹوٹ کر دامن میں میرے آگرے
میں نے پوچھا تھا ستاروں سے ترے غم کا مقام

کہہ رہے ہیں چند بچھڑے راہروؤں کے نقشِ پا
ہم کریں گے انقلابِ جستجو کا اہتمام

پڑ گئیں پیراہنِ صبح چمن پر سلوٹیں
یاد آ کر رہ گئی ہے بے خودی کی ایک شام

تیری عصمت ہو کہ ہو میرے ہنر کی چاندنی
وقت کے بازار میں ہر چیز کے لگتے ہیں دام

ہم بنائیں گے یہاں ساغرؔ نئی تصویرِ شوق
ہم تخیل کے مجدّد ہم تصور کے امام

دستور یہاں بھی اندھے ہیں فرمان یہاں بھی اندھے ہیں
اے دوست خدا کا نام نہ لے ایمان یہاں بھی اندھے ہیں

تقدیر کے کالے کمبل میں عظمت کے فسانے لپٹے ہیں
مضمون یہاں بھی بہرے ہیں عنوان یہاں بھی اندھے ہیں

زردار توقع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی محنت پر
مزدور یہاں بھی دیوانے ذیشاں یہاں بھی اندھے ہیں

کچھ لوگ بھروسہ کرتے ہیں تسبیح کے چلتے دانوں پر
بے چین یہاں یزداں کا جنوں انسان یہاں بھی اندھے ہیں

بے نام جفا کی راہوں پر کچھ خاک سی اڑتی دیکھی ہے
حیراں ہیں دلوں کے آئینے نادان یہاں بھی اندھے ہیں

بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نور سویرے ہوتے ہیں
شاعر کا تصور بھوکا ہے سلطان یہاں بھی اندھے ہیں

○

عید کا چاند

عید کا چاند ہے خوشیوں کا سوالی اے دوست
خوشیاں بھیک میں مانگے سے کہاں ملتی ہیں

دست سائل میں اگر کاسۂ غم چیخ اٹھے
تب کہیں جا کے ستاروں سے گراں ملتی ہیں

عید کے چاند! مجھے محرم عشرت نہ بنا
میری صورت کو تماشائے الم رہنے دے

مجھ پہ حیراں ہیں اہل کرم ہونے دو
دہر میں مجھکو شناسائے الم رہنے دے

یہ مسرت کی فضائیں تو چلی جاتی ہیں
کل وہی رنج کے، آلام کے دھارے ہوں گے

چند لمحوں کے لیے آج گلے سے لگ جا
اتنے دن تُو نے بھی ظلمت میں گزارے ہوں گے

چھپائے دل میں غموں کا جہان بیٹھے ہیں
تمہاری بزم میں ہم بے زبان بیٹھے ہیں

یہ اور بات کہ منزل پہ ہم نہ پہنچ سکے
مگر یہ کم ہے کہ راہوں کو چھان بیٹھے ہیں

فغاں ہے، درد ہے، سوز و فراق و داغِ الم
ابھی تو گھر میں بہت مہربان بیٹھے ہیں

اب اور گردشِ تقدیر کیا ستائے گی
لٹا کے عشق میں نام و نشان بیٹھے ہیں

وہ ایک لفظِ محبت ہی دل کا دشمن ہے
جسے شریعتِ احساس مان بیٹھے ہیں

ہے میکدے کی بہاروں سے دوستی ساغر
ورائے حدِ یقین و گمان بیٹھے ہیں

○

جب تصور میں جام آتے ہیں
آفتابی مقام آتے ہیں

یوں چٹکتے ہیں شاخ پر غنچے
جیسے ان کے سلام آتے ہیں

دل کی نادانیوں پر غور نہ کر
کھوٹے سکے بھی کام آتے ہیں

چند لمحات نوجوانی میں
واجب الاحترام آتے ہیں

منزلِ عشق میں خرد والے
صرف دو چار گام آتے ہیں

داستانِ حیات میں ساغر
بے وفاؤں کے نام آتے ہیں

(۴۷)

کس کو بھاتی رہی رات بھر چاندنی
جی جلاتی رہی رات بھر چاندنی

ٹمٹماتے رہے حسرتوں کے دیئے
مسکراتی رہی رات بھر چاندنی

اک حسیں جسم کی طرح آغوش میں
کسمساتی رہی رات بھر چاندنی

اشک پیتے رہے ہم کسی اور کے
مے پلاتی رہی رات بھر چاندنی

ایک شبنم کے قطرے کی تقدیر کو
آزماتی رہی رات بھر چاندنی

صبح دیکھا شگوفے تھے ٹوٹے ہوئے
گل کھلاتی رہی رات بھر چاندنی

ان کی زلفوں کے سائے بھٹکتے رہے
لڑکھڑاتی رہی رات بھر چاندنی

غم کے ساغر چھلکتے چھلکتے رہے
جگمگاتی رہی رات بھر چاندنی

○

یارب! ترے جہان کے کیا حال ہو گئے
کچھ لوگ خواہشات کے دلال ہو گئے

تپتی رہی ہے آس کی کرنوں پہ زندگی
لمحے جدائیوں کے مہ و سال ہو گئے

بھولی رنگ رنگ کو دنیا کی نیرنگی
نغمے رباب وقت کے بے تال ہو گئے

وحشت میں اپنے تارِ گریباں ہی دوستو!
الجھے تو ہر قدم پہ گراں جال ہو گئے

ساغر جو کل کھلے تھے وہ غنچے کہاں گئے
ہنگامۂ بہار میں پامال ہو گئے

(۴)

خیالِ یار میں ہم پُربہار رہتے ہیں
خزاں کے دن بھی ہمیں سازگار رہتے ہیں

چمن میں صرف ہمارا ہی ذکر ہوتا ہے
برنگِ لالہ ہمیں داغدار رہتے ہیں

یہ اور بات کہ تم آئے ہو تو کوئی نہیں
وگرنہ غم تو یہاں بے شمار رہتے ہیں

جہانِ قدس بھی میری نظر سے گزرا ہے
وہاں بھی تیری نظر کے شکار رہتے ہیں

بصیرتوں کو نکھارا ہمیں نے اے ساغر
تجلیوں سے ہمیں ہمکنار رہتے ہیں

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں

شمع جس کی آبرو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں

اب تو مدت سے رہ و رسمِ نظارہ بند ہے
اب تو ان کا طُور پر بھی سامنا ہوتا نہیں

ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں

ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقامِ خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں

ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جدا ہوتا نہیں

بارہا دیکھا ہے ساغر رہگذارِ عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

○

دو جہانوں کی خبر رکھتے ہیں
بادہ خانوں کی خبر رکھتے ہیں

خارزاروں سے تعلق ہے ہمیں
گلستانوں کی خبر رکھتے ہیں

ہم الٹ دیتے ہیں صدیوں کے نقاب
ہم زمانوں کو خبر رکھتے ہیں

ان کی گلیوں کے مکینوں کی سنو
لامکانوں کی خبر رکھتے ہیں

چند آوارہ بگولے اے دوست
کاروانوں کی خبر رکھتے ہیں

زخم کھانے کا سلیقہ ہو جنہیں
وہ نشانوں کی خبر رکھتے ہیں

کچھ زمینوں کے ستارے ساغرؔ
آسمانوں کی خبر رکھتے ہیں

موج در موج کناروں کو سزا ملتی ہے
کوئی ڈوبے تو سہاروں کو سزا ملتی ہے

میکدے سے جو نکلتا ہے کوئی بے نشہ
چشمِ ساقی کے اشاروں کو سزا ملتی ہے

آپ کی زلفِ پریشاں کا تصور توبہ
نکہت و نور کے دھاروں کو سزا ملتی ہے

جب وہ دانتوں میں دباتے ہیں گلابی آنچل
کتنے پُرکیف نظاروں کو سزا ملتی ہے

میرے پیمانے میں ڈھل جاتا ہے پھولوں کا شباب
میرے ساغر میں بہاروں کو سزا ملتی ہے

شمع اس راہ پہ جلی ہے ابھی
رنج کی شب کہاں ڈھلی ہے ابھی

گل کھلے ہیں تمہاری آہٹ سے
آنکھ مہتاب نے مَلی ہے ابھی

دل کہ جس کو فقیر کہتے ہیں
ایک اجڑی ہوئی گلی ہے ابھی

کاروبارِ جنوں کی گمنامی
شہرتِ عقل سے بھلی ہے ابھی

چاند اتریں گے رہگذاروں میں
رسمِ تابندگی چلی ہے ابھی

اب طبیعت بحال ہے ساغرؔ
کچھ ذرا من میں بے کلی ہے ابھی

نظر نظر بیقرار سی ہے نفس نفس پُراسرار سا ہے
میں جانتا ہوں کہ تم نہ آؤ گے پھر بھی کچھ انتظار سا ہے

میرے عزیزو! میرے رفیقو! کوئی نئی داستان چھیڑو
غمِ زمانہ کی بات چھوڑو یہ غم تو اب سازگار سا ہے

وہی فسردہ سا رنگِ محفل وہی ترا ایک عام جلوہ
مری نگاہوں پہ بار سا تھا مری نگاہوں میں بار سا ہے

کبھی تو آؤ! کبھی تو بیٹھو! کبھی تو دیکھو! کبھی تو پوچھو!
تمہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

چلو کہ جشنِ بہار دیکھیں چلو کہ ظرفِ بہار جانچیں
چمن چمن روشنی ہوئی ہے کلی کلی پہ نکھار سا ہے

یہ زلف بردوش کون آیا یہ کس کی آہٹ سے گل کھلے ہیں
مہک رہی ہے فضائے ہستی تمام عالم بہار سا ہے

○

انقلابِ وقت

ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے
رہزنی، غارت گری، بیداد کی تشہیر ہے
عاقبت ہے سربرہنہ آبرو نخچیر ہے
نعرۂ حق و صداقت لائق تعزیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

ایک شب اجڑا کسی بابا کی بیٹی کا سہاگ!
اڑ گئی پھولوں کی خوشبو ڈس گئے کلیوں کو ناگ
ظلمتوں میں سو رہے ہیں چاندنی راتوں کے بھاگ
آدمیت ان دنوں اک لاشۂ تقدیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

ایک بیچارے نے دم توڑا شفا گھر کے قریب
برق کے جھٹکے سے ٹھنڈا ہو گیا اک بدنصیب
لاریوں کی ٹکروں سے مر گئے کتنے غریب
آج ہر مظلوم کی فریاد بے تاثیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

○

دکھ درد کی سوغات ہے دنیا تری کیا ہے
اشکوں بھری برسات ہے دنیا تری کیا ہے

کچھ لوگ یہاں نورِ سحر ڈھونڈ رہے ہیں
تاریک سی اک رات ہے دنیا تری کیا ہے

تقدیر کے چہرے کی شکن دیکھ رہا ہوں
آئینۂ حالات ہے دنیا تری کیا ہے

پابندِ مشیّت ہے تنفس بھی نظر بھی
اک جذبۂ لمحات ہے دنیا تری کیا ہے

مجروح تقدس ہے تقدس کی حقیقت
رودادِ خرابات ہے دنیا تری کیا ہے

○

خوشا کہ باغِ بہاراں ہے زندگی اپنی
کسی کے غم سے فروزاں ہے زندگی اپنی

بہت دنوں سے پریشاں ہیں آپ کے گیسو
بہت دنوں سے پریشاں ہے زندگی اپنی

چھلک رہے ہیں کئی حسرتوں کے پیمانے
لہو سے دل کے چراغاں ہے زندگی اپنی

غمِ حیات نے ڈالے ہیں ہاتھ بڑھ بڑھ کر
کہ بے وطن کا گریباں ہے زندگی اپنی

ترا جہاں ہے کیا ایک آئینہ خانہ
کہ جس میں ششدر و حیراں ہے زندگی اپنی

نہ جانے کونسا لمحہ چرا کے لے جائے
متاعِ گردشِ دوراں ہے زندگی اپنی

نہ کوئی پھول نہ ساغر نہ ماہتاب نہ تو
بجھا ہوا سا شبستاں ہے زندگی اپنی

○

اے تغیرِ زمانہ یہ عجیب دل لگی ہے
نہ وقارِ دوستی ہے نہ مجالِ دشمنی ہے

یہی ظلمتیں چھنیں جو ترے سرخ آنچلوں میں
ان ہی ظلمتوں سے شاید مرے گھر میں روشنی ہے

مرے ساتھ تم بھی چلنا مرے ساتھ تم بھی آنا!
ذرا غم کے راستوں میں بڑی تیز تیرگی ہے

یہ مشاہدہ نہیں ہے مرے درد کی صدا ہے
مرے داغِ دل لیے ہیں تری بزم جب سجی ہے

غمِ زندگی کہاں ہے ابھی وحشتوں سے فرصت
ترے ناز اٹھا ہی لیں گے ابھی زندگی پڑی ہے

ترے خشک گیسوؤں میں مری آرزو ہے پنہاں
ترے شوخ بازوؤں میں مری داستاں رچی ہے

جسے اپنا یار کہنا اسے چھوڑنا بھنور میں!
یہ حدیثِ دلبراں ہے یہ کمالِ دلبری ہے

وہ گزر گیا ہے ساغرؔ کوئی قافلہ چمن سے
کہیں آگ جل رہی ہے کہیں آگ سو گئی ہے

○

بھولی ہوئی صدا ہوں مجھے یاد کیجئے
تم سے کہیں ملا ہوں مجھے یاد کیجئے

منزل نہیں ہوں، خضر نہیں، راہزن نہیں
منزل کا راستہ ہوں مجھے یاد کیجئے

میری نگاہِ شوق سے ہر گل ہے دیوتا!
میں عشق کا خدا ہوں مجھے یاد کیجئے

نغموں کی ابتدا تھی کبھی میرے نام سے
اشکوں کی انتہا ہوں مجھے یاد کیجئے

گُم صُم کھڑی ہیں دونوں جہاں کی حقیقتیں
میں ان سے کہہ رہا ہوں مجھے یاد کیجئے

ساغر کسی کے حسنِ تغافل شعار کی
بہکی ہوئی ادا ہوں مجھے یاد کیجئے

وقت کی عمر کیا بڑی ہو گی
اک ترے وصل کی گھڑی ہو گی

دستکیں دے رہی ہے پلکوں پر
کوئی برسات کی جھڑی ہو گی

کیا خبر تھی کہ نوکِ خنجر بھی
پھول کی ایک پنکھڑی ہو گی

زلف بل کھا رہی ہے ماتھے پر
چاندنی سے صبا لڑی ہو گی

اے عدم کے مسافرو! ہشیار
راہ میں زندگی کھڑی ہو گی

کیوں گرہ گیسوؤں میں ڈالی ہے
جاں کسی پھول کی اڑی ہو گی

التجا کا ملال کیا کیجئے
ان کے در پر کہیں پڑی ہو گی

موت کہتے ہیں جس کو اے ساغرؔ
زندگی کی کوئی کڑی ہو گی!

(۸۹)

بات پھولوں کی سنا کرتے تھے
ہم کبھی شعر کہا کرتے تھے

مشعلیں لے کے تمہارے غم کی
ہم اندھیروں میں چلا کرتے تھے

اب کہاں ایسی طبیعت والے
چوٹ کھا کر جو دعا کرتے تھے

ترکِ احساسِ محبت مشکل!
ہاں مگر اہلِ وفا کرتے تھے

بکھری بکھری ہوئی زلفوں والے
قافلے روک لیا کرتے تھے

آج گلشن میں شگوفے ساغرؔ
شکوۂ بادِ صبا کرتے تھے

○

گل ہوئی شمعِ شبستان چاند تارے سو گئے
موت کے پہلو میں شامِ غم کے مارے سو گئے

بے قراری میں بھی اکثر دردمندانِ جنوں
اے فریبِ آرزو تیرے سہارے سو گئے

کاروبارِ گرمیٔ دوراں کی ٹھنڈی راکھ ہیں
اے شگوفوں کے خداوندو! شرارے سو گئے

دے رہی ہے آج بھی موجِ حوادث لوریاں
شورشِ طوفاں سے گھبرا کے کنارے سو گئے

جن سے نغمے تھے وفاؤں کے سراپا زندگی
وہ محبت کی تلاوت کے اشارے سو گئے

کیا نہیں معلوم تجھ کو اے مرے مغموم دل!
جن سے نظریں تھیں شگفتہ وہ نظارے سو گئے

جن کے دم سے بزمِ ساغر تھی حریفِ کہکشاں
اے شبِ ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سو گئے

ان بہاروں پہ گلستاں پہ ہنسی آتی ہے
دل کے ہر داغِ فروزاں پہ ہنسی آتی ہے

آج پھر جام تہی اور گھٹا اٹھی ہے
آج پھر رحمتِ یزداں پہ ہنسی آتی ہے

آپ کی زلفِ پریشاں کے تصور میں ہمیں
بارہا گردشِ دوراں پہ ہنسی آتی ہے

میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھما چھم پہ نہ جا
تیرے ٹوٹے ہوئے پیماں پہ ہنسی آتی ہے

جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مجھ کو اخلاصِ عزیزاں پہ ہنسی آتی ہے

مجھ کو اک زہر کا چھلکا ہوا ساغر دے دو
مجھ کو اس دور کے انساں پہ ہنسی آتی ہے

○

اللہ رے اس چشمِ عنایات کا جادو
تا عمر رہا حسنِ ملاقات کا جادو

معلوم نہ تھا سحر گزیدانِ وفا کو
صُبحوں کے پسِ پردہ ہے ظلمات کا جادو

آنکھوں میں رواں کوثر و تسنیم کے منتر
زلفوں میں نہاں شامِ خرابات کا جادو

آتا ہو جسے رسمِ محبت کا وظیفہ
چلتا نہیں اس پر غمِ حالات کا جادو

بَربط کا جگر چیر گئی تار کی فریاد
مطرب پہ اثر کر گیا نغمات کا جادو

لہرائے وہ گیسو کہ اٹھیں غم کی گھٹائیں
اشکوں کی جھڑی بن گئی برسات کا جادو

ہم ساحرِ اقلیمِ سخن بن گئے ساغر
اس ڈھب سے جگایا ہے خیالات کا جادو

○

پاکستان کے سیاستدان

گرانی کی زنجیر پاؤں میں ہے
وطن کا مقدر گھٹاؤں میں ہے

اطاعت پہ ہے جبر کی پہرہ داری
قیادت کے ملبوس میں ہے شکاری

سیاست کے پھندے لگائے ہوئے ہیں
یہ روٹی کے دھندے جمائے ہوئے ہیں

یہ ہنس کر لہو قوم کا چوستے ہیں
خدا کی جگہ خواہشیں پوجتے ہیں

یہ ڈالر میں آئین کو تولتے ہیں
یہ لہجہ میں سرائے کے بولتے ہیں

ہے غارت گری اہلِ ایماں کا شیوہ
بھلایا شیاطیں نے قرآں کا شیوہ

اٹھو نوجوانو! وطن کو بچاؤ!
شراروں سے حدِ چمن کو بچاؤ

ہم خاک نشیں خاک بسر شہر میں تیرے
کر لیں گے اسی طرح گزر شہر میں تیرے

جب تک تیری گلیوں سے رہا ہم کو تعلق
ہم رقص رہے شمس و قمر شہر میں تیرے

کچھ لوگ تمناؤں کا خوں چہرے پہ مَل کر
بیٹھے ہیں سرِ راہگذر شہر میں تیرے

اٹھتے رہے کلیوں کی جوانی کے جنازے
جلتے رہے پھولوں کے نگر شہر میں تیرے

چلتی ہے تقدس کے لبادوں میں حقارت
بجتے ہیں حوادث کے گجر شہر میں تیرے

ساغر کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں ابھی تک
کجلائے ہوئے شام و سحر شہر میں تیرے

○

انسان بدنصیب' مقدر کی بات ہے
گل کو ملے صلیب' مقدر کی بات ہے

اہلِ جنوں کے ہاتھ میں دونوں جہاں کی باگ
خطرے میں ہے غریب' مقدر کی بات ہے

زخمِ بہار بن گئی پھولوں کی آرزو!
سارا چمن رقیب' مقدر کی بات ہے

اہل چمن کو لکنتِ ماحول کھا گئی
ہر بے نوا خطیب' مقدر کی بات ہے

زخموں کو چھیڑتے ہیں بنامِ علاجِ نو
اس دور کے طبیب' مقدر کی بات ہے

تسکینِ جستجو ہے نہ اندازۂ قیام
منزل کے ہیں قریب' مقدر کی بات ہے

صحرا کی دھوپ بن گئی ساغر کی تشنگی
دشمن بنے حبیب'مقدر کی بات ہے

جو حادثے یہ جہاں میرے نام کرتا ہے
بڑے خلوص سے دل نذرِ جام کرتا ہے

ہمیں سے قوسِ قزح کو ملی ہے رنگینی
ہمارے در پہ زمانہ قیام کرتا ہے

ہمارے چاک گریباں سے کھیلنے والو!
ہمیں بہار کا سورج سلام کرتا ہے

یہ میکدہ ہے یہاں کی ہر شے کا حضور
غمِ حیات بہت احترام کرتا ہے

فقیہِ شہر نے تہمت لگائی ساغر پر
یہ شخص درد کی دولت کو عام کرتا ہے

یہ جو شام و سحر کا میلہ ہے
سب تمہاری نظر کا میلہ ہے

بہتے دریا کی موج سے پوچھو
عاشقی چشمِ تر کا میلہ ہے

میرے برباد آشیاں کو نہ دیکھ
یہ بہاروں کے گھر کا میلہ ہے

پھر ملیں گے اگر بہار آئی
زندگی رہگذر کا میلہ ہے

چاندنی میں قرارِ دل نہ لٹا
چاندنی رات بھر کا میلہ ہے

جل چکی شاخِ آشیاں اے دوست
پھر بھی برق و شرر کا میلہ ہے

کشتیٔ ماہ میں چلو ساغرؔ
آج راوی نگر کا میلہ ہے

○

تن سلگتا ہے من سلگتا ہے
جب بہاروں میں بن سلگتا ہے

نوجوانی عجیب نشہ ہے
چھاؤں میں بھی بدن سلگتا ہے

جب وہ محوِ خرام ہوتے ہیں
رنگِ سرو و سمن سلگتا ہے

جانے کیوں چاندنی میں پچھلی رات
چپکے چپکے چمن سلگتا ہے

تیرے سوزِ سخن سے اے ساغرؔ
زندگی کا چلن سلگتا ہے

جام ٹکراؤ! وقت نازک ہے
رنگ چھلکاؤ! وقت نازک ہے

حسرتوں کی حسین قبروں پر!
پھول برساؤ! وقت نازک ہے

اک فریب اور، زندگی کے لیے
ہاتھ پھیلاؤ! وقت نازک ہے

رنگ اڑنے لگا ہے پھولوں کا
اب تو آ جاؤ! وقت نازک ہے

تشنگی تشنگی! ارے توبہ
زلف لہراؤ! وقت نازک ہے

بزم ساغر ہے گوش بر آواز
کچھ تو فرماؤ! وقت نازک ہے

جب سے دیکھا پری جمالوں کو
موت سی آ گئی خیالوں کو

دیکھ تشنہ لبی کی بات نہ کر
آگ لگ جائے گی پیالوں کو

پھر افق سے کسی نے دیکھا ہے
مسکرا کر خراب حالوں کو

فیض پہنچا ہے بارہا ساقی
تیرے مستوں سے ان شوالوں کو

دونوں عالم پہ سرفرازی کا
ناز ہے تیرے پائمالوں کو

اس اندھیروں کے عہد میں ساغر
کیا کرے گا کوئی اجالوں کو

○

محبت کے مزاروں تک چلیں گے
ذرا پی لیں! ستاروں تک چلیں گے

سنا ہے یہ بھی رسمِ عاشقی ہے
ہم اپنے غم گساروں تک چلیں گے

چلو تم بھی! سفر اچھا رہے گا
ذرا اجڑے دیاروں تک چلیں گے

جنوں کی وادیوں سے پھول چن لو
وفا کی یادگاروں تک چلیں گے

حسیں زلفوں کے پرچم کھول دیجئے
مہکتے لالہ زاروں تک چلیں گے

چلو ساغر کے نغمے ساتھ لے کر
چھلکتی جوئے باروں تک چلیں گے

○

دکھ درد کے طوفان ہیں آلام کے جنگل
یادیں ہیں تری جیسے کہ آسام کے جنگل
تدبیر ہے، تقدیر کی بے نام پرستش
اذہان میں آباد ہیں الہام کے جنگل
پلکوں کے تلے معنی و مفہوم کی جھیلیں
زلفوں کے گھنے سائے ہیں ابہام کے جنگل
ساقی تری مخمور نگاہوں کے سہارے
گلزار کیے ہیں غمِ ایام کے جنگل

○

تہذیبِ جنوں کار پہ تنقید کا حق ہے
گرتی ہوئی دیوار پہ تنقید کا حق ہے
ہاں! میں نے لہو اپنا گلستاں کو دیا ہے
مجھ کو گل و گلزار پہ تنقید کا حق ہے
میں یاد دلاتا ہوں شکایت نہیں کرتا
بھولے ہوئے اقرار پہ تنقید کا حق ہے
مجروح جو کر دے دلِ انساں کی حقیقت
اس شوخیٔ گفتار پہ تنقید کا حق ہے

○

وہاں اب تک سنا ہے سونے والے چونک اٹھتے ہیں
صدا دیتے ہوئے جن راستوں سے ہم گزر آئے

○

امید کے موتی ارزاں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
پھولوں کے مہکتے داماں میں درویش کی جھولی خالی ہے

احساسِ صفائی پتھر ہے! ایمان سلگتی دھونی ہے
بے رنگ مزاجِ دوراں ہے درویش کی جھولی خالی ہے

بے نور مروت کی آنکھیں، بے کیف عنایت کے جذبے
ہر سمت بدلتے عنواں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے

گدڑی کے پھٹے ٹکڑے ساغر اجسام تخیل کیا ڈھانپیں
فریاد کی نقطے حیراں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے

○

تشنگی تشنگی ارے توبہ!
قطرے قطرے کو ہم ترستے ہیں
اے خداوندِ کوثر و تسنیم
تیرے بادل کہاں برستے ہیں

○

ذرا گیسوئے یار کھولے گئے ہیں
تدبر کے بازار کھولے گئے ہیں
شگوفوں کے ارماں نچوڑے گئے ہیں
شراروں کے اسرار کھولے گئے ہیں
کئی بار تیری وفاؤں کے عقدے
سرِ منزلِ دار کھولے گئے ہیں
الٹ کر نقابِ رُخِ گل نگاراں
بہاروں کے دربار کھولے گئے ہیں

○

مے کدہ دور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے
آنکھ بے نور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے
گردشِ وقت کی بے نام تھکن سے ساقی
زندگی چور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے

○

شعلہ سامان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
ہائے انسان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

حسنِ بت ساز کھلونوں کا پرانا خالق!
عشق انجان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

ہم بہرحال حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں
دل ہے نادان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

جو ترے غم کی ندامت نہ اٹھا سکتا ہو
وہ پشیمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

موج گریہ سے لپٹ جاتے ہیں وعدے ان کے
غم کا طوفان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

چشم ساغر کو نہیں خواہش جنت واعظ
تیرا ایمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

ل کہندا اے چناں میں تیری آں
دل کہندا اے چناں میں تیری آں

اکھیاں وچ رہناں ایں نالے دل وچ وسناں ایں
ہولے ہولے پلکاں دے اوہلے ہسناں ایں

دل کہندا اے چناں میں تیری آں
توں رس جاناں ایں جہان رس جاندا اے
پیا میرا دین تے امان رس جاندا اے
پھل مینوں لگدے نیں کنڈیاں دیاں ڈھیریاں
دل کہندا اے چناں میں تیری آں
کلے بہہ کے پاؤنیاں میں تیریاں بجھارتاں
پیار دیاں جگ کولوں لے لے توں شہادتاں
ہولی ہولی کر دے نیں لوکی گلاں میریاں

دل کہندا اے چناں میں تیری آں
دل کہندا اے چناں میں تیری آں

○

آ جا کہ انتظارِ نظر ہیں کبھی سے ہم
مایوس ہو نہ جائیں کہیں زندگی سے ہم

اے عکسِ زلفِ یار ہمیں تو پناہ دے
گھبرا کے آ گئے ہیں بڑے روشنی سے ہم

برسوں رہی ہے جن سے رہ و رسمِ دوستی
ان کی نظر میں آج ہوئے اجنبی سے ہم

اس رونقِ بہار کی محفل میں بیٹھ کر
کھاتے رہے فریب بڑی سادگی سے ہم

○

زلف نے بل کوئی کھایا تو برا مان گئے
چاند بدلی میں جو آیا تو برا مان گئے
اور تو سب کو پلاتے رہے مست آنکھوں سے
ہاتھ ساغر نے بڑھایا تو برا مان گئے

○

رودادِ محبت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیدادِ مشیت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

حساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کانٹوں سے بھرا ہے دامنِ دل شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب اپنی حقیقت بھی ساغرؔ بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

○

کچھ حرف التجا تھے دعاؤں سے ڈر گئے
ارمان بندگی کے خداؤں سے ڈر گئے

اب کون دیکھتا ہے ترے شمس کی طرف
سورج مکھی کے پھول شعاؤں سے ڈر گئے

ہنس کر جو جھیلتے تھے زمانے کی تلخیاں
اے چشمِ یار تیری اداؤں سے ڈر گئے

رنگیں فضا میں جل گئیں خاموش تتلیاں
آنچل اڑے تو پھول ہواؤں سے ڈر گئے

آہوں کو اعتبارِ سماعت سمجھ لیا
نغموں کی بے قرار صداؤں سے ڈر گئے

ساقی نے مسکرا کے گلے سے لگا لیے
وہ آدمی جو اپنی خطاؤں سے ڈر گئے

تشنہ لبی نے ساغر و مینا کو ڈس لیا
زلفوں کی مست مست گھٹاؤں سے ڈر گئے

پوچھا کسی نے حال کسی کا تو رو دیئے
پانی میں عکس چاند کا دیکھا تو رو دیئے

نغمہ کسی نے ساز پر چھیڑا تو رو دیئے
غنچہ کسی نے شاخ سے توڑا تو رو دیئے

اڑتا ہوا غبار سرِراہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیئے

بادل فضا میں آپ کی تصویر بن گئے
سایہ کوئی خیال سے گزرا تو رو دیئے

رنگِ شفق سے آگ شگوفوں میں لگ گئی
ساغر ہمارے ہاتھ سے چھلکا تو رو دیئے

حادثے کیا کیا تمہاری بے رخی سے ہو گئے
ساری دنیا کے لیے ہم اجنبی سے ہو گئے

کچھ تمہارے گیسوؤں کی برہمی نے کر دیئے
کچھ اندھیرے میرے گھر میں روشنی سے ہو گئے

بندہ پرور! کھل گیا ہے آستانوں کا بھرم
آشنا کچھ لوگ رازِ بندگی سے ہو گئے

گردش دوراں' زمانے کی نظر آنکھوں کی نیند
کتنے دشمن ایک رسمِ دوستی سے ہو گئے

زندگی آگاہ تھی صیاد کی تدبیر سے
ہم اسیرِ دامِ گل اپنی خوشی سے ہو گئے

اب کہاں اے دوست چشمِ منتظر کی آبرو!
اب تو ان کے عہد و پیماں ہر کسی سے ہو گئے

ہر قدم ساغر نظر آنے لگی ہیں منزلیں
مرحلے کچھ طے مری آوارگی سے ہو گئے

۱۸

یاد آ کے رہ گئے ہیں زمانے وفاؤں کے
شعلے جگا کے چل دیئے جھونکے ہواؤں کے

ہر اک قدم پہ تلخئ دوراں کی دھوپ تھی
تھے ہم بھی اس گلی میں طلب گار چھاؤں کے

کرتے رہے جو چاند ستاروں کی رہبری
کچھ منتظر ہیں ان ہی رہنماؤں کے

ہر ذہن میں پڑے ہیں تری زلف کے بھنور
ہر دل کی سرزمیں پہ نشاں تیرے پاؤں کے

بے چارگیٔ زیست کا دامن نہ بھر سکا
ہم نے لٹا دیئے ہیں خزانے دعاؤں کے

تجدیدِ ذوقِ ساغر و مینا کی بات کر
بدلے ہوئے ہیں رنگ چمن کی فضاؤں کے

○

ہر شے ہے پُرملال بڑی تیز دھوپ ہے
ہر لب پہ ہے سوال بڑی تیز دھوپ ہے

چکرا کے گر نہ جاؤں میں اس تیز دھوپ میں
مجھ کو ذرا سنبھال بڑی تیز دھوپ ہے

دے حکم بادلوں کو خیاباں نشین ہوں
جام و سبو اچھال بڑی تیز دھوپ ہے

ممکن ہے ابرِ رحمت یزداں برس پڑے
زلفوں کی چھاؤں ڈال بڑی تیز دھوپ ہے

اب شہرِ آرزو میں وہ رعنائیاں کہاں
ہیں گل کدے نڈھال بڑی تیز دھوپ ہے

سمجھی ہے جس کو سایۂ امید عقلِ خام
ساغر کا ہے خیال بڑی تیز دھوپ ہے

خزاں کے دور میں لطفِ بہار لیتا ہوں
غمِ حیات کو ہنس کر گزار لیتا ہوں
گلوں سے رنگ ستاروں سے روشنی لے کر
جمالِ یار کا نقشہ اتار لیتا ہوں

○

احساس گراں بار ہے دل ڈوب رہا ہے
پژمردہ چمن زار ہے دل ڈوب رہا ہے

زنجیر کے حلقے تو سلامت ہیں مری جاں
سہمی ہوئی جھنکار ہے دل ڈوب رہا ہے

خاموش ہوئی گرمیٔ بازارِ محبت
اب کون خریدار ہے دل ڈوب رہا ہے

○

وقارِ انجمن ہم سے فروغِ انجمن ہم ہیں
سکوتِ شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں

ہمیں سے گلستاں کی بجلیوں کو خاص نسبت ہے
بہاریں جانتی ہیں رونقِ صحنِ چمن ہم ہیں

زمانے کو نہ دے الزام اے ناواقفِ منزل
زمانے کی نظر ہم ہیں زمانے کا چلن ہم ہیں

قریب و دور کی باتیں نظر کا وہم ہیں پیارے
یقینِ رہنما ہم سے فنونِ راہزن ہم ہیں

طلوعِ آفتابِ نو ہمارے نام پر ہو گا!
وہ جن کی خاک کے ذرے ہیں خورشیدِ وطن ہم ہیں

بہرصورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنوں کی سادگی ہم ہیں خرد کا بانکپن ہم ہیں

ہمارے ہاتھ میں ہے ساغرِ فردا، ادھر دیکھو!
ادھر دیکھو حریفِ گردشِ چرخِ کہن ہم ہیں

○

صراحی جام سے ٹکرایئے برسات کے دن ہیں
حدیثِ زندگی دہرایئے برسات کے دن ہیں

سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم
ذرا ملاح کو سمجھایئے برسات کے دن ہیں

کسی پُرنور تہمت کی ضرورت ہے گھٹاؤں کو
کہیں سے مہ وشوں کو لایئے برسات کے دن ہیں

طبیعت گردشِ دوراں کی گھبرائی ہوئی سی ہے
پریشان زلف کو سلجھایئے برسات کے دن ہیں

بہاریں ان دنوں دشتِ بیاباں میں بھی آتی ہیں
فقیروں پر کرم فرمائیے برسات کے دن ہیں

یہ موسم شورشِ جذبات کا مخصوص موسم ہے
دلِ ناداں کو بہلائیے برسات کے دن ہیں

سہانے آنچلوں کے ساز پر اشعار ساغرؔ کے
کسی بے چین دھن میں گائیے برسات کے دن ہیں

جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں

لوگ جس بزم میں آتے ہیں ستارے لے کر
ہم اسی بزم میں بادیدۂ نم آتے ہیں

میں وہ اک رندِ خرابات ہوں میخانے میں
میرے سجدے کے لیے ساغرِ جم آتے ہیں

اب ملاقات میں وہ گرمیٔ جذبات کہاں
اب تو رکھنے وہ محبت کا بھرم آتے ہیں

قُربِ ساقی کی وضاحت تو بڑی مشکل ہے
ایسے لمحے تھے جو تقدیر سے کم آتے ہیں

میں بھی جنت سے نکالا ہوا اک بت ہی تو ہوں
ذوقِ تخلیق تجھے کیسے ستم آتے ہیں

چشمِ ساغر ہے عبادت کے تصور میں سدا
دل کے کعبے میں خیالوں کے صنم آتے ہیں